

بسم الله الرحمن الرحيم

جہری نمازوں میں آیات قرآنی کے جوابات دینے کی شرعی حیثیت

ممتاز علماء اہل حدیث کے فتوے ملاحظہ فرمائیں

ناشر - شعبہ نشر و اشاعت مرکزی دارالامارت

جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان

محمدی مسجد محمد بن قاسم روڈ - ای ایم انکراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب مفتی صاحب

السلام علیکم!

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآنی آیات الیس اللہ با حکم الحاکمین - سبح اسم ربک الاعلیٰ ذخیرہ کا نماز میں جواب دینا چاہئے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مدلل و مفصل دے کر ممنون فرمائیں۔

سائل

ابو بکر داؤد

جمبئی (بھارت)

الجواب بعون الوهاب

صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ شرعاً قرآنی آیات جیسے الیس اللہ با حکم الحاکمین وغیرہ کا جواب امام اور مقتدی دونوں کو دینا چاہئے، جیسا کہ سنن ابی داؤد اور سنن بیہقی وغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ

نبی ﷺ کی قراءت کی کیفیت کے بیان میں روایت مذکور ہے۔ کان اذا قرا: ”سبح اسم ربك الاعلى“ قال سبحان ربی الاعلى (الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی) سورۃ قیامہ کی یہ آیت تلاوت فرماتے تھے تو سبحانک فبلی کہتے اور جب (سبح اسم ربك الاعلى) کی تلاوت فرماتے تو سبحان ربی الاعلى فرماتے تھے۔

علامہ ناصر الدین محدث البانی حفظہ اللہ ان احادیث کے تحت فرماتے ہیں کہ: ”وهو مطلق فی شمل القراءة فی الصلوة وخارجها والنافلته والفريضة“ وقد روی ابن ابی شیبہ (۲/۱۳۲/۲) عن ابی موسیٰ الاشعری والمغيرة انهما كانا یقولان ذلک فی فريضة“ ورواه عن عمرو علی اطلاقاً۔“ (صفته صلاة النبی ص ۱۰۱)

یہ مطلق ذکر ہوا ہے اور نماز و خارج نماز کی قرات کو شامل ہے اسی طرح فرض اور نفل کی نماز پر بھی مشتمل ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت مغیرہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ

اسے فرض نماز میں کہتے تھے، اور حضرات عمرؓ و علیؓ سے مطلق طور پر روایت ہے۔ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: موفی ۳۱۰ھ

یستحب للقارئ اذا قراء سبح اسم ربك الا علی ان يقول عقبه: "سبحان ربی الاعلیٰ" قاله النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وقال اجماعته من الصحابة والتابعین وروی عن علیؓ وابن عباسؓ وابن عمرؓ و ابن الزبیرؓ والی موسیٰؓ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم: انہم کانوا اذا فتتحوا قراءۃ هذه السورة قالوا سبحان ربی الاعلیٰ، وقیل: انہافی قراءۃ ابی- "سبحان ربی الاعلیٰ" وکان ابن عمر یقترؤھا کذلک قال ابوبکر الانباری حدثنا عیسیٰ ابن عمر عن ابیہ قال: قراء علیؓ ابن ابی طالب فی الصلوۃ "سبح اسم ربک الا علیؓ" ثم قال: سبحان ربی الاعلیٰ، فلما انتقضت الصلاة قیل لہ: یا امیر المومنین، اتزید هذا فی القرآن؟ قال: ما هو؟ قالوا: "سبحان ربی الاعلیٰ"

انما امرنا بشئى فقلته۔“ کہ نبی ﷺ اور آپکے صحابہ کرام و تابعین عظام سبھان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے اس لئے قرأت کرنے والے کو سبھان ربی الاعلیٰ کہنا مستحب ہے۔ حضرت علیؑ نے نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ کے جواب میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا تو نماز کے بعد کسی نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ قرآن مجید میں اسکا اضافہ کر رہے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ نہیں ایسی بات نہیں بلکہ ہمیں اس کے کہنے کا حکم دیا گیا ہے تو میں نے اسکی تعمیل کی ہے۔ وکان ابن عباس وعلی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما اذا قراء ”الیس اللہ با حکم الحاکمین“ قالوا: بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاہدین۔ ورواہ لترمذی عن ابی ہریرۃ قال: من قرا سورۃ ”والتین والزیتون“ فقراء ”الیس اللہ با حکم الحاکمین“ فلیقل بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاہدین۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر قرطبی) کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؑ جب ایس اللہ با حکم الحاکمین پڑھتے تو اس کے بعد یہ جواب دیتے۔ بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاہدین۔ ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے

مرفوعاً اور موقوفاً روایت ہے کہ جو ایس اللہ با حکم الحاکمین پڑھے تو اس کے جواب میں اسے بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاہدین کہنا چاہئے۔ مقتدی اور سامع کو بھی ان آیات کا جواب دینا چاہئے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”من قراء ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ اما ما کان او غیرہ فلیقل: ”سبحان ربی الا علیٰ“ ومن قرأ لا قسم بیوم القیامتہ الیٰ اخرھا“ فلیقل: ”سبحانک اللہم بلیٰ“ اما ما کان او غیرہ“ ذکرہ الخطیب (مرعاة المفاتیح ص ۲۱۴ ج ۲) مولانا عبید اللہ مبارکپوری (کہ جو سبح اسم ربک الا علیٰ کی قرأت کرے خواہ امام ہو یا کوئی اور اسے سبحان ربی الا علیٰ کہنا چاہئے اور جو لا اقسام بیوم القیامتہ آخر تک پڑھے تو اسے سبحانک اللہم بلیٰ کہنا چاہئے خواہ امام ہو یا کوئی اور۔ مولانا عبید اللہ صاحب رقطراز ہیں: یتستحب ایضاً للسامع“ ان یقول: ”سبحان ربی الا علیٰ اذا سمع من القارئ (سبح اسم ربک الا علیٰ لا نہ لا دلیل فی الحدیث علیٰ اختصاص هذا القول بالقاری وبالامام ولم

يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا يقول لكونه قارئاً او اما ما بل لان مقتضى هذا الآية ان يقول كل من قراها او سمعها في جوابها: سبحان ربى الاعلى، امثالاً للامر، قال المناوى فى شرح الجامع الصغير اخذ من ذلك ان للمقارئ او السامع كلما مر بآيته تنزيه ان ينزه الله او تحميداً يحمده او تكبيراً ان يكبره، قس عليه، کہ سامع کے لیے بھی سبحان ربى الاعلى کہنا مستحب ہے جب وہ قارى سے سج اسم ربك الاعلى سنے کیونکہ حدیث میں اس جواب کے قارى یا امام کیساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کا جواب امام یا قارى ہونے کی حیثیت سے نہیں دیا بلکہ آیت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اسے جو بھی پڑھے اور سنے وہ جواب میں سبحان ربى الاعلى کہے۔ امر سج کی پیروی کرتے ہوئے علامہ مناوى ”شرح الجامع الصغير“ میں رقمطراز ہیں کہ اس سے یہ حاصل ہوا کہ قارى یا سامع جب کسی آیت سے گزریں جس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ بیان ہوئی ہو تو وہ جواب میں تسبیح و تنزیہ پر مشتمل الفاظ کہے۔ اور جب تحمید و ثناء کی آیت

سے گزر ہو تو جواب میں الحمد للہ کہے اور تکبیر کے بیان سے گزرے تو تکبیر جواب میں کہے۔ باقی کو اسی پر قیاس کر لیں،

فلیقل: ”بلی“ کے تحت علامہ مناوی تحریر فرماتے ہیں: لانه

قول بمنزلة السؤال فيحتاج الى الجواب حق الخطاب

الا يترك المخاطب جوابه فيكون السامع كهيئت

الغافل، او كمن لا يسمع الا دعاء ونداء من الناعق به

صم بكم عمى فهم لا يعقلون، فهذه هيئته سيئته، ومن

ثم ندبوا لمن مر بابيته رحمة ان يسائل الله الرحمة -

او عذاب ان يتعوذ من النار، او يذكر الجنة بان يرغب

الى الله فيهما، او النار ان يستعيز به منها۔ کیوں کہ ارشاد باری

تعالیٰ ”اليس الله باحكم الحاكمين“ سوال کے درجہ میں صادر

ہوا ہے جبکہ لئے جواب کی ضرورت ہے اور خطاب کا یہ حق کہ مخاطب

اسکے جواب کو ترک نہ کرے اور سامع غافل کی طرح ہو جائے یا اس شخص

کی طرح جو بھونکنے والے کی آہ و بکا کے علاوہ اور کچھ نہیں سنتا، بہرے ہیں،
گوئنگے ہیں، اندھے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں سو یہ بری حالت ہے۔ مولانا
عبید اللہ مبارکپوری حفظہ اللہ نے اخیر میں فیصلہ کن بات ان الفاظ میں تحریر
فرمادی ہے ”فیستحب الجواب عند تلاوة هذه الايات
للقارئ والسماع كليهما اماماً او ماموماً او منفرداً“ کہ ان
جواب دیئے جانے والی آیات کی تلاوت کے وقت قاری سامع خواہ وہ امام
ہوں یا مقتدی یا منفرد سب کے لیے انکا جواب مستحب (بہتر) ہے۔“
(مرعاة ص ۱۴۴ ج ۲) امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان آیات کے
جوابات دینا نماز اور غیر نماز میں قاری کے لئے امام، ماموم اور منفرد سب
کے لئے مستحب ہے۔ کیونکہ یہ دعائیہ کلمات ہیں جس میں آمین کہنے کی
طرح سب برابر ہیں۔ (الاذکار للنووی) نیز حدیث شریف میں مذکور ہے :
انما جعل الامام ليوتم به (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کہ امام اس لئے بنایا جاتا
ہے تاکہ اسکی اقتداء کی جائے۔ اور سنن ترمذی میں الفاظ حدیث اس طرح

ہیں ”فلیصنع کما یصنع الامام“ کہ مقتدی اسی طرح کرے جیسے امام (نماز میں کرے) چنانچہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ ان آیات کے جوابات دیتے تھے لہذا مقتدیوں کو بھی ان آیات کے جوابات دینے چاہئیں ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، مخالفین اس کے مقابلے میں کوئی دلیل پیش کریں جس سے یہ معلوم ہو کہ مقتدی اور سامع کو ان کے جواب نہیں دینے چاہئیں، استاذ الکل مولانا مفتی میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تائید فرماتے ہیں: آیات مذکورہ کا جواب قاری کی طرح سامع کو بھی دینا چاہئے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے بوقت قرأت ان آیات کا جواب دینا ثابت ہے اور آپ کا ہر قول و فعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے تا وقتیکہ اس کی تخصیص وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو، مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور سبایہ فی التشہد اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرائت کے: اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان

اللہ بکرۃ واصیلاً، یا انی وجہت وجہی للذی فطر
 السموات والارض یا اللہم باعد بینی وبين خطایکما
 باعدت بین المشرق والمغرب“ پڑھنا یا رکوع میں سبح
 قدوس رب الملائکتہ والروح اور سجدہ میں لک سجد وجہی
 وعظامی ومسخی پڑھنا وغیر ذلک یہ ایسے افعال ہیں جنکی مسنونیت
 میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ اور امت محمدیہ میں ہر شخص کے لیے یہ
 افعال مسنون ہیں خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو حالانکہ یہ
 ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم
 فرمائی ہو پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے ہیں کہ
 آپؐ نے فرمایا صلوا کما راہتمونی فصلی یعنی اس طرح نماز پڑھو
 جیسا مجھے پڑھتے دیکھتے ہو اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لقد
 کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پس بنا بر تقریر ہذا آیات
 مسئلہ کا جواب ہر شخص کو دینا چاہئے عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع، نماز

میں ہو یا غیر نماز میں۔ آنحضور ﷺ کا یہی دستور تھا ہم کو بھی اسکے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۴۶-۲۴۷ جلد اول قدیم ہندوستانی ایڈیشن و فتاویٰ علمائے حدیث جلد سوم ص ۱۰۴، از مولانا عبدالسلام صاحب بستی، اخبار اہل حدیث دہلی یکم فروری ۱۹۵۴ء) و ہدایۃ النبی (مکمل نماز) مصنفہ مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ واللہ الموافق للصواب والہادی صراط مستقیم۔

کتبہ محمد ادریس سلفی
نائب مفتی جماعت

الجواب صحیح عبدالقہار غفرلہ
مفتی جماعت

محترم جناب مفتی صاحب

السلام علیکم!

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ بحر کہتا ہے: الیس اللہ باحکم الحاکمین اور سبح اسم ربک الا علی - اور

فہای حدیث بعدہ یومنون - وغیرہ آیات کا جواب جس طرح قاری
یعنی امام صاحب کو دینا چاہئے اسی طرح سامعین یعنی مقتدیوں کو بھی دینا
چاہئے اور زید کہتا ہے کہ ان آیات کا جواب صرف قاری کو دینا چاہئے یا
صرف امام کو۔ پس ان دونوں میں سے کس کا قول حق و صواب ہے بینوا
تو جروا۔ سائل۔ عبد اللہ

الجواب بعون الوهاب

صورت مسئلہ میں بحر کا قول اقرب الی الصواب ہے۔
یعنی آیات مذکورہ کا جواب جس طرح سے امام کو دینا چاہئے اسی طرح
مقتدی کو بھی دینا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کا جواب دینا
ثابت ہے۔ اور آپ کا کل قول و فعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے تا
وقتیکہ اسکی تخصیص کسی وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ
ثابت نہ ہو مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر - یعنی
رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا
مقتدیوں کے لئے اور قیام میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھنا اور تشہد میں انگلی
سبابہ کو اٹھانا اور جلسہ استراحت کرنا تو رک کرنا اور قرأت سے پہلے تکبیر

تحریمہ کے بعد: اللھم باعد بینی و بین الخ یانی و جھت الخ پڑھنا۔ یار کوع میں سبوح قدوس الخ وغیر ذلک یہ ایسے افعال ہیں جنکی مسنویت میں کسی طرح کا بھی شک نہیں ہو سکتا۔ اور امت محمدیہ میں ہر شخص کے لئے یہ افعال مسنون ہیں خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی خواہ منفرد ہو یا احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے کہ قول فعل پیغمبر ﷺ تمام افراد امت کے لئے دستور العمل ہوتا ہے جب تک حدیث مرفوعہ ہی سے تخصیص ثابت نہ ہو۔

قالی اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ بس بنا بر تقریر ہذا ان آیات کا جواب ہر شخص کو دینا چاہئے عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع، نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ اتباعا لفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ ابوداؤد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ سبح اسم ربک الا علی پڑھتے تھے تو سبحان ربی الا علی کہتے تھے۔ ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ رہا تھا جب اس نے الیس ذلک بقادر علی ان یحییٰ الموتی پڑھا تو کما سبحانک

فبلیٰ - لوگوں نے اس بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے کہا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔“

یہی میں روایت ہے کہ آپؐ نے صبح کی نماز میں :سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا تو فرمایا سبحان ربی الا علیٰ عوف بن مالک کہتے ہیں کہ ایک رات آپؐ نے نماز میں سورہ بقرہ شروع کی جب آپؐ کوئی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ سے رحمت کا سوال کرتے اور عذاب کی آیت پر اللہ سے پناہ مانگتے پھر آپؐ نے قیام کے برابر رکوع کیا اور اس میں سبحان ذی الجبروت والملكوت والکبیر یا ء والعظمت پڑھتے رہے پھر سجدہ بھی قیام کے برابر کیا اور اس میں بھی رکوع والی دعا پڑھتے رہے۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے تو سورہ آل عمران اور ایک اور سورہ پڑھی حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ پر سورہ رحمن پڑھی وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ آپؐ نے فرمایا ”میں نے جنوں کی رات میں یہی سورہ جنوں پر پڑھی تھی وہ تم سے جواب دینے میں اچھے رہے جب بھی میں پڑھتا تھا فبای الاء ربکما تکذبن تو وہ جن جواب دیتے اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کرتے

تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول الیس ذلک بقادر علیٰ ان یحییٰ مے الموتی پڑھے تو کہے ملی اور جب الیس اللہ با حکم الحاکمین پڑھے تو ملی کہے۔ کیونکہ ان میں سوال کیا گیا۔ جس کا جواب دینا چاہئے اور خطاب کا حق ہے کہ مخاطب کلام کا جواب دے گا۔ اگر نہ دے گا تو سامع بے خبروں کی طرح ہو گا یا جیسے کوئی جانور جو آواز تو سنتا ہے لیکن مطلب نہیں سمجھتا یا اندھے، گونگے، بہرے کی طرح جسے کچھ سمجھ نہ آئے۔ یہ حالت بہت بری ہے اچھی بات تو یہ ہے کہ رحمت کی آیت پر رحمت کا سوال کرے۔ عذاب کی آیت سے گزرے تو پناہ مانگے۔ جنت کا تذکرہ ہو تو اس کا سوال کرے، دوزخ کا ذکر ہو تو پناہ مانگے اگر تنزیہ کی آیت ہو تو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرے جب تعوذ سے گزرے تو پناہ مانگے۔ جب تسبیح کی آیت سے گزرے تو تسبیح بیان کرے، جب سوال کا ذکر ہو تو سوال کرے۔ حدیث ترمذی سے یہ امر بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلیٰ کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقع کے لحاظ سے ہے۔ جب ہی تو آپؐ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض کیا اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ کے طور پر ذکر فرمایا،

حالانکہ آپؐ نے اس واقعہ سے قبل صحابہ کرامؓ کو اس جواب کی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی جن جن آیات کا جواب دیا ہے وہ اس خصوصیت سے نہیں کہ آپ امام تھے یا قاری تھے بلکہ ان آیتوں کا معنی اور موقع ہی ایسا تھا کہ جب وہ آیت پڑھی جاتی ہے تو پڑھنے والا اور سننے والا ہر شخص انکا مناسب جواب جو احادیث سے ثابت ہو ”دے“ حوالہ فتویٰ علمائے حدیث ص ۱۳۱ تا ۱۳۴ ج ۲)

یعنی آیات مذکور کا جواب جس طرح قاری کو دینا چاہئے اسی طرح مقتدی بھی دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا بوقت قراءت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے اور آپکا قول و فعل امت کے لئے دستور العمل ہے تا وقتیکہ اسکی تخصیص کسی وقت خاص یا حالت خاص کیساتھ ثابت نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سبح اسم ربک الا علی قال سبحان ربی الاعلی الخ (ابوداؤد)

دوسری حدیث: عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (ترمذی)

خلاصہ احادیث مندرجہ بالا کا یہ نکلا کہ نبی علیہ السلام خود بھی جواب دیتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی سورتوں کے جواب دینے کی رغبت دلاتے تھے۔ اس حدیث ترمذی سے ایک امر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیات کا جواب قاری یا مصلیٰ کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقع کے لحاظ سے ہے جیسا کہ آپؐ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی جن آیتوں کا جواب دیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں کہ آپؐ امام تھے بلکہ ان آیات کا معنی اور موقع ایسا ہی ہے کہ جب وہ آیت پڑھی جائے تو پڑھنے اور سننے والا ہر شخص اس کا جواب جو احادیث سے ثابت ہو دیوے، اسی لئے آپؐ نے اپنے مقتدیوں صحابہ کرامؓ کے سکوت یعنی جواب نہ دینے پر عیب پکڑا۔

علاوہ ازیں بعض عموماً حدیثیہ بھی اس پر دال ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مرفوعاً مروی ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ - یعنی امام اسی واسطے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ ہمارے یہ حدیث ہذا مقتدی پر امام کے ہر فعل کی اقتداء لازم ہے، الا وہ فعل

کہ جسکی تخصیص و ممانعت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہو، جیسا کہ قرأت ماسوا فاتحہ، اسطرح حضرت علی و معاذ رضی اللہ عنہما سے جامع ترمذی میں مرفوعاً آیا ہے کہ فلیصنع کما یصنع الامام مقتدی کو چاہئے جو امام کرتا ہے وہی کرے پس جب امام کسی آیت کا جواب اسکی قرأت کی وجہ سے دے تو مقتدی و سامع امام کی اقتدا کی وجہ سے جواب دے تو مضائقہ نہیں۔ ایسے مسائل میں باہمی اختلاف درست نہیں کہ اگر کسی نے جواب نہ بھی دیا تو وہ مورد طعن و تشنیع ہو یا اسکی نماز میں قصور ہو یا جواب دینے والے کو فساد دی وغیرہ کہا جائے۔ جواب دینے والا اچھا کرتا ہے نہ دینے والا ان الفاظ کے ثواب سے محروم ہے (فتاویٰ ستاریہ ۶۲-۲۴۲۳)

مولانا عبدالسلام بستوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی بعینہ یہی ہے جو فتاویٰ ستاریہ میں درج ہوا ملاحظہ ہو فتاویٰ علمائے حدیث نج سوم ص ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴۔ دوسرا حوالہ اخبار اہل حدیث دہلی یکم فروری ۱۹۵۴ء۔

مولانا محمد یونس صاحب قریشی دہلوی کا فتویٰ: قرآنی آیات کا جواب دینا، ص ۱۶۹ پر لکھتے ہیں، بہتر تو یہ ہے کہ ان آیات کا جواب پکار

کر دے کیونکہ سنت سے ایسا ہی ثابت ہوا ہے لیکن اگر کوئی شخص آہستہ بھی جواب دیگا تو بھی جائز ہو جائے گا۔ مقتدی بھی آیتوں کا جواب دے، حوالہ سنن ترمذی مشکوٰۃ ص ۳۰۳ (دستور المتقی ۱۶۹ از جمعیت الہمدیث کراچی) مفسر القرآن والحديث مولانا الحاج الحافظ ابو محمد عبدالستار صاحب محدث دہلوی مرحوم و مغفور امام ثانی جماعت غرباء الہمدیث تفسیر ستاری پارہ ۳ ص ۱۱۱ تا ۱۲۰ میں فرماتے ہیں: صورت مسئلہ عنہا میں عمر و کا قول اقرب الی الصواب ہے۔ یعنی آیات مذکورہ کا جواب دینا جس طرح قاری کو دینا چاہئے اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہئے اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ کا وقت قراءت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے اور آپ کا کل قول و فعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے۔ تاوقتیکہ اسکی تخصیص کسی وقت خاص یا حالت خاص کے ساتھ نہ ثابت ہو۔ مثلاً رفع الیدین رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت - وضع الیدین علی الصدر اور رفع سبابہ فی التشہد اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قراءت کے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا یا انی وجہت وجہی للذی فطر

السموات والارض الخ يا اللهم باعد بيني وبين خطايي
 كما باعدت بين المشرق والمغرب الخ ياركوع میں پڑھنا
 سبح قدوس رب الملائكة والروح اور سجدہ میں
 سجدلک وجہی وعظامی ومسخی پڑھنا۔ یہ مذکورہ تمام افعال
 ایسے ہیں جنکی مسنونیت میں کسی طرح شک وشبہ نہیں ہو سکتا اور امت
 محمدیہ میں سے ہر شخص کیلئے یہ افعال مسنون ہیں خواہ وہ شخص امام ہو یا
 مقتدی یا منفرد، حالانکہ یہ کہیں بھی ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
 اپنے مقتدیوں کو ان جملہ امور کی تعلیم فرمائی ہو عام طور پر فرمایا ہو کہ
 جو شخص جب نماز پڑھے تو ایسا کرے۔ پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے
 اسی وجہ سے عام رہے کہ قول و فعل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام
 افراد امت کے لئے دستور العمل ہوتا ہے جب تک حدیث مرفوع ہی سے
 تخصیص نہ ثابت ہو۔

مولانا عبدالستار کلانوری کا فتویٰ: جیسے قاری کو جواب دینا جائز
 ہے اسی طرح سامع کو بھی اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا امام کا ہر فعل مقتدی
 کو کرنا چاہئے مگر وہ فعل جسکو شریعت نے منع کر دیا ہو، جیسے قراءت

ماسوا فاتحہ - اور قاری اور مقتدی کا جواب دینا بعض روایت میں بالتصریح
 آچکا، پھر کس طرح اسکے جواز میں شبہ ہو سکتا ہے۔ امام شوکانی و امام نوویؒ بھی
 امام و ماموم ہر دو کے لئے استحباب کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو صحیح مسلم ج ۱
 ص ۲۶۴، مفتی عبدالستار کلانوری نزیل دہلی)

محقق و محدث مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی مرحوم و
 مغفور کا فتویٰ: والتین هل اتک سورہ اعلیٰ و مرسلت وغیرہ
 سورتوں کی آیات میں جیسے امام کہے مقتدی کہہ سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ
 نے جس طرح نماز ادا فرمائی ہے امت کو بھی اسی طرح اداء کرنا چاہئے :
 حدیث مالک بن الحویرث وغیرہ صلوا کما رایتمونی
 اصلی و لحدیث جابر مرفوعاً انما جعل الامام لیؤتم بہ -
 الحدیث - شریعت نے مقتدیوں پر امام کی اقتدا فرض کی ہے یعنی جس طرح
 وہ کرے تم بھی کرو۔ مگر مواضع مخصوصہ جو شریعت سے ثابت ہیں جیسے
 قراءت علاوہ فاتحہ و جہر باقی کل امور میں مقتدی امام کے تابع ہیں جو ان
 عموماً سے کسی شے کو خارج کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ دلیل شرعی
 سے خاص کر کے منع کرے ورنہ اسکی دلیل سماع شرعاً نہ ہوگی۔ آپ کی

عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی آپؐ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو سبحان ربی الاعلیٰ فرماتے - اخرجہ احمد و ابوداؤد وغیرہما من حدیث بن عباس -

مسلمان پر آپؐ کی اقتداء ہر آن فرض ہے۔ کما قال تعالیٰ
 لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ الایتہ - ملاحظہ
 ہو رسول اللہ ﷺ نے سورہ رحمن اصحاب کرامؓ پر پڑھی، اصحابؓ کے عدم
 جواب پر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اخرجہ البزار و ابن جریر و ابن
 المنذر و الدار قطنی فی الافراہ دین مرد و یہ و الخطیب
 فی تاریخہ بسند صحیح عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم قرأ سورة الرحمن علی اصحابہ
 فسکتوا فقال مالی اسمع الجن احسن جوابا له بها منکم
 و فی روایتہ عند الترمذی و غیرہ مالی اراکم سکوتا
 ما اتیت علی قول اللہ تعالیٰ فباى الآء ربکما تکذبن الا
 قالوا - لا بشئ من الآئک و فی روایتہ من نعمک ربنا
 نکذب فلک الحمد۔ فرمایا: کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے، جن

تو تم سے اچھے رہے کہ وہ ہر ہر آیت پر جواب دیتے تھے۔ مانعین کو اس تعمیم کی تخصیص پر دلیل صریح چاہئے۔ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ بلا دلیل اگر سکوت کریں گے تو وہی نہالی اراکم سکوتاً صادق آئے گا یا نہیں، جب تک اسکا مخصص نہ ہو سکوت پر مالی اراکم محال قائم رہے گا۔ اسی طرح تمام سورۃ پر تصور فرمائیں۔ بلکہ جن آیات میں عذاب و ثواب و عید و غیرہ کا بیان ہے ان مواضع میں بھی امام و مقتدی دونوں سوال مغفرت و رحمت و عذاب و عتاب سے کلام کر سکتے ہیں۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں میں نے ایک رات آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپؐ نے سورہ بقرہ شروع کی میں نے خیال کیا شاید ۱۰۰ سو آیت پڑھ کر رکوع کریں گے، ۱۰۰ سو سے جب آگے بڑھ گئے تو میں نے خیال کیا کہ سورۃ کے ختم پر رکوع کریں گے۔ جب سورۃ ختم ہوئی تو میں نے خیال کیا کہ اب رکوع کریں گے مگر نہ کیا اور سورہ نساء شروع کر دی۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ تسبیح کی آیت پر سبحان اللہ کہتے تھے۔ طلب کی آیت پر اللہ سے دعا مانگتے تھے۔ عذاب کی آیتوں پر اللہ سے پناہ مانگتے۔ امام

شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یہ امور مصلیٰ غیر مصلیٰ امام و منفرد مقتدی سب کے لئے مستحب ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں دوست رکھتا ہوں امام کے لئے کہ جب وہ آیت رحمت کو پڑھے تو ٹھہر جائے اور اللہ سے طلب کرے، اور لوگ بھی طلب کریں اور جب آیت عذاب کو پڑھے تو ٹھہر جائے اور پناہ خود بھی چاہے اور مقتدی بھی چاہیں ان چیزوں میں مقتدیوں کو شامل کرنے کی بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے جو ہمارے درمیان رات دن دور کر رہی ہے۔ وہ لفظ آمین کا ہے۔ جب امام آمین کہتا ہے تو حکم ہوتا ہے تم بھی اسی طرح طلب کرو سو وہ بھی کرتا ہے اگر کوئی کہے مقتدی بھی الحمد پڑھتا ہے سو یاد رہے کہ الحمد تو اسی لئے پڑھتا ہے کہ اسکے بغیر تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ آمین کو اگر امام ہی کہہ دیتا تو بھی کفایت کر سکتی تھی۔ یہ وہ رکن نہیں جسکے مقتدی کے ترک کر دینے سے انکی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ ادعیہ کے لئے تائین خلف الامام کی حدیث معیار ہے کہ اسی طرح مقتدی بھی امام کی شرکت کیا کریں۔

مولانا عبد الجبار صاحب کھنڈیلوی مرحوم کا فتویٰ : مقتدی بھی

پڑھ سکتا ہے کیونکہ کسی حدیث شریف میں مقتدی کے نہ پڑھنے کی صراحت نہیں پائی گئی، اور حدیث میں ہے کہ جس امر سے حضرت ﷺ نے سکوت اختیار کیا اسکی معافی ہے۔

لہذا اگر کوئی پڑھے تو اس کو نہ روکا جائے یعنی منع نہ کیا جائے، کیونکہ جب آپ سے منع ثابت نہیں تو ہم منع کرنے والے کون؟ دیگر مقتدی کو اقتدا کا حکم ہے جو امام کرے ایسا وہ بھی کرے مگر جس جگہ امام کی خصوصیت ہے وہاں بازر ہے اور قاری کے لئے تو یہ جواب مسلم ہی باقی رہا ایک لحاظ سے تو مقتدی بھی حکم میں قاری کے ہے کیونکہ اس کو حکم استماع قرآن کا ہے، اور استماع من حیث الاستماع حکما قراءت ہے۔ کمالا یخفی۔ اور ایک روایت میں جابرؓ سے مقتدیوں کا جواب دینا صریح طور پر بھی ثابت ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے ”ایک دفعہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب پر سورہ رحمن پڑھی پس صحابہ کرام خاموش رہے۔ بعد میں آپ نے فرمایا، سورہ رحمن میں نے جنوں پر پڑھی وہ تم سے اچھے تھے جواب لو بٹانے میں، جب میں نے ان پر آیت فباہی الآ ربکما تکذبن پڑھی تو جواب میں کہتے لا بشی منہ نعمک ربنا

نکذب فلک الحمد (مشکوہ ۱۵۸ حوالہ ترمذی)

(۵) مولانا احمد اللہ صاحب دہلویؒ کا فتویٰ: رسول مقبول ﷺ سے جو قول و فعل ثابت ہو چکا اسکی اقتدا کرنا ہمپر لازم ہے: نمونہ رسول اللہ پر چلنے کا حکم ہوا۔ رسول مقبول ﷺ قرآن شریف پڑھتے تھے جب آیت عذاب کی یا غصہ کی آتی تھی، آپؐ پناہ مانگتے تھے، یہ جمیع امت محمدیہؑ کیلئے درست و مستحب ہے اور باعتبار مضمون قرآنی کے بھی، اسی طرح سبح اسم ربک الا علیٰ میں اور دیگر آیات وغیر ذلک کسی مقام پر امر ہے کسی مقام پر استفہام ہے یہ ہر ایک کے لئے ہے امام ہو یا مقتدی یا منفرد، مصلیٰ ہو یا غیر مصلیٰ، قاری ہو یا سامع سب کو جواب دینا درست ہے۔ علماء متقدمین نے یہی فتویٰ دیا ہے شافعیہ کا یہی مذہب ہے۔ امام، مقتدی، منفرد سب کو جواب دینا ان آیات کے بعد مستحب رکھتے ہیں، فی زمانہ اگر کوئی اس امر کی مخالفت کرے تو یہ اسکے عدم تحقیق پر مبنی ہے۔ واللہ علم۔

(احمد اللہ سلمہ الصمد سابق مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی)

(۶) مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم کا فتویٰ جو جوابات الفاظ قرآن روایات صحیحہ سے وارد ہیں انکو نماز میں بھی کہنا جائز ہے اور خارج

از نماز بھی (ابو سعید محمد حسین بٹالوی)

(۷) مولانا عنایت اللہ وزیر آبادی کا فتویٰ - والتین وسیح الخ
هل اتاک وغیرہ کا جواب دینا جائز درست ہے

(۸) حضرت الامام العالم الربانی امی محمد عبد الوہاب مرحوم بانی جماعت
غریبہ اہلحدیث کا فتویٰ: الجواب صحیح -

(۹) مولانا ابوالخلیل عبدالخلیل مرحوم مدیر صحیفہ اہلحدیث کا فتویٰ :
مسنون طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے قاری سامع
آیت عذاب پر اللہ سے پناہ مانگے اور آیت رحمت پر رحمت مانگے اور آیات
استفہامیہ کے ختم پر مناسب جواب دے۔

(۱۰) جو کچھ مذکورہ صاحبان نے لکھا ہے وہ حق اور سچ ہے والحق احق
ان یتبع - احقر عبد الحلیم شاہ بقلم خود۔

(۱۱) الجواب صحیح: ابو محمد عبد الغفار سلفی نائب مفتی مدرسہ دارالسلام
کراچی۔

(۱۲) امام و مقتدی - قاری و سامع ہر ایک کو قرآن کریم کی استفہامیہ
آیات کا شرعی جواب دینا درست صحیح ہے۔

فقط عبد الحکم کرم الجلیلی عفیٰ عنہ مدرس مدرسہ دارالسلام کراچی (سابقہ شیخ الحدیث جامعہ ستاریہ کراچی)

(۱۳) ما اصاب المجیب فهو مصیب: ابوعمار عبدالقہار سلفی غفرلہ مدرس جامعہ ستاریہ گلشن اقبال-کراچی۔

(۱۴) الجواب صحیح: ابو احمد محمد یونس غفرلہ دہلوی (موصوف جامعہ ستاریہ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہ چکے ہیں)۔

(۱۵) الجواب صحیح: عبدالرحمن سلفی عفیٰ عنہ (موصوف الحمد للہ آج کل جماعت غرباء اہل حدیث کے چوتھے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سلامت رکھے) آمین۔

(۱۶) مذکورہ علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے و بلا شک و شبہ صحیح ہے۔ عبد الجبار سلفی کان اللہ لہ منتظم صحیفہ اہل حدیث کراچی۔

(۱۷) آخر میں جناب مولانا عبدالنواب صاحب محدث مرحوم ملتانی کا فتویٰ درج ذیل ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمر بایۃ رحمۃ

الا وقف عند هاوسال ولا بآية عذاب الا وقف عندها وتعوذ۔ یعنی آنحضرت ﷺ قرآن پڑھتے ہوئے جب کبھی ایسی آیت پر آتے جس میں رحمت کا ذکر ہوتا تو ٹھہر جاتے اور اللہ پاک سے وہ رحمت مانگتے، اور جب ایسی آیت پر آتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو ٹھہر جاتے اور اس عذاب سے پناہ چاہتے۔

نوٹ : ثم ان علينا حسابهم (الغاشیہ)۔ اس آیت کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے اللھم حاسبنی حساباً یسراً۔

تفسیر ستاری، مسند امام احمد جلد ۶ ص ۲۸ مصری میں مذکور دعا والی حدیث کے الفاظ درج بالا ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بعض نمازوں میں آسانی حساب کے لئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے (مشکوٰۃ)

(ماخوذ پندرہ روزہ صحیفہ الہمدیث سال نمبر ۷۴ شمارہ نمبر ۱۲)

(۱۵-کراچی)

الراقم

محمد ادریس سلفی

الجواب صحیح عبدالقہار غفرلہ

نائب مفتی جماعت غرباء الہمدیث

مفتی جماعت غرباء الہمدیث